

احادیثِ رسول ﷺ کی صیانت و حفاظت

احادیثِ موضوعہ کی شاعت

اور

ان کی ترویج و اشاعت کا سدِ باب

حضرت مولانا نور البشیر محمد نور الحق حفظہ اللہ تعالیٰ

سابق استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

ومدیر معهد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

مکتبہ معہد عثمان بن عفان

41/25-28، 36-بی، لاندھی، کراچی

www.falaheummah.blogspot.com

فہرست مضامین

5	حفاظتِ حدیث کے تین طریقے.....
6	پہلا طریقہ: حفظِ روایت.....
6	حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی قوتِ حافظہ.....
7	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حافظہ.....
8	ایک اعرابی کے حافظہ کا واقعہ.....
9	دوسرا طریقہ: تعامل.....
9	تیسرا طریقہ: کتابتِ حدیث.....
10	حفاظتِ حدیث کی چند بنیادی اساسیں.....
10	اسناد.....
14	علم الجرح والتعديل.....
16	امام علی بن المدینی اور ان کے والد.....
16	امام وکیع اور ان کے والد.....
17	امام ابوداؤد اور ان کے عالم فاضل صاحبزادے.....
17	زید بن ابی انیسہ اور ان کے بھائی.....
17	جریر بن عبد الحمید ضبی اور ان کے بھائی.....
17	امام شعبہ اور امام یحییٰ بن سعید القطان.....
18	امام یحییٰ بن معین اور امام ابو نعیم الفضل بن دکین.....

- امام یحییٰ بن معین اور موسیٰ بن اسماعیل تہذیبی 19
- علم علل الحدیث 22
- نقدِ رواۃ اور جرح و تعدیل کے سلسلے میں ائمہ کی خدمات 24
- وفیات پر مؤلفات: 26
- علل الحدیث پر مؤلفات 27
- ”علل“ پر عمومی طور پر کلام کرنے والی کتابیں 27
- خصوصی کتب کی علل پر کلام کرنے والی چند کتابیں 28
- ”علل“ کی بعض وہ کتابیں جن میں 29
- بعض احادیث کی علل کو واضح کیا گیا ہے 29
- وہ کتابیں جن میں ”علل“ پر ضمنًا وقع کلام پایا جاتا ہے 29
- (الف) کتب التخریج 29
- (ب) کتب الرجال 30
- (ج) شروح حدیث 30
- (د) فقہی شروح 31
- حدیث ”موضوع“ 31
- ”موضوع“ کی لغوی و اصطلاحی تعریف 31
- کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شاعت 32
- امام نووی کے بیان کردہ چند فوائد 34
- وضع حدیث کے اسباب 37
- ۱- سیاسی عوامل: 38

- ۲- اسلام دشمنی 38
- ۳- تعصب پرستی 38
- ۴- مذہبی و عقائدی اختلافات 38
- ۵- ترغیب و ترہیب میں وضع حدیث اور احتساب 38
- چند وضائیں کا تذکرہ 39
- ۱- میسرہ بن عبد ربہ 39
- ۲- غلام خلیل 39
- ۳- ابو داود، سلیمان بن عمرو بغدادی نخعی 40
- ۴- ابو بشر احمد بن محمد فقیہ مروزی مصعبی: 40
- ۶- حکام کا تقرب اور ان کی خوشامد 41
- موضوع احادیث کی مضرتیں 42
- موضوع احادیث سے چھٹکارے کی صورت 42
- وضع حدیث کی علامات: 47
- حدیث کے موضوع ہونے کو پہچاننے کے ضابطے 49
- موضوعات اور مشتہرات پر لکھی گئی کچھ کتب کا تذکرہ 50
- مراجع و مصادر 58

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد
النبي الأمي الأمين، وعلى آله وصحابه وتابعيه ومن تبعهم
بإحسان إلى يوم الدين.
أما بعد:

”سنت“، مأخذ شریعت میں سے دوسرا ماخذ ہے، جس طرح اللہ جل شانہ نے
قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے: قَالَ تَعَالَى: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ
لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ۹] اسی طرح ”سنت“ کی حیثیت چونکہ شرح قرآن،
تبیین قرآن اور تفسیر قرآن کی ہے، اس لئے اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے
سنن صحیحہ ثابتہ کی حفاظت کی بھی ضمانت ہے اور مدسوس و موضوع احادیث سے اس
ذخیرہ حدیث کی حفاظت و صیانت کی بھی ذمہ داری ہے۔

قرآن کریم کی حفاظت کے عملی مظاہر کیا کیا ہیں، وہ واضح بھی ہیں اور چونکہ
ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لئے اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے ”سنت“ کی
حفاظت کے کیا اہم اسباب مقرر کئے ہیں، اُن کا جائزہ لے کر میں اپنے موضوع ”احادیث
موضوعہ کی شاعت اور اُن کی ترویج و اشاعت کا سد باب“ کی طرف آتا ہوں۔

حفاظتِ حدیث کے تین طریقے

حضرات علماء کرام فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ حدیث کے سلسلے میں بظاہر اہم تین اسباب رکھے ہیں:

۱- حفظِ روایت

۲- تعامل

۳- کتابت

پہلا طریقہ: حفظِ روایت

سب سے پہلا طریقہ روایتوں اور حضور اکرم ﷺ کے اقوال کو بعینہ یاد رکھنے کا ہے، یہ طریقہ ابتدائی دور کے لحاظ سے سب سے قابلِ اعتماد طریقہ تھا، اہل عرب کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظے عطا فرمائے تھے، ایک ایک شخص ہزاروں اشعار ازبر حفظ یاد کر لیا کرتا تھا، بسا اوقات صرف ایک مرتبہ سُن کر لمبے لمبے قصیدے مکمل یاد کر لیا کرتے تھے۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی قوتِ حافظہ

صحیح بخاری میں حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوتِ حافظہ پر

دال واقعہ ہے:

«عن جعفر بن عمرو بن أمية الضمري، قال خرجت مع عبيد الله بن عدي بن الخيار، فلما قدمنا حمص قال لي عبيد الله بن عدي: هل لك في وحشي نسأله عن قتل حمزة؟ قلت: نعم، وكان وحشي يسكن حمص، فسألنا عنه، ف قيل لنا: هو ذاك في ظل قصره، كأنه حميت، قال: فجئنا حتى وقفنا عليه بيسير، فسلمنا، فرد السلام، قال: وعبيد الله معتجر بعمامته، ما يرى وحشي إلا عينيه ورجليه، فقال عبيد الله: يا وحشي، أتعرفني،

قال: فنظر إليه ثم قال: لا، والله، إلا أني أعلم أن عدي بن الخيار تزوج امرأة يقال لها أم قتال بنت أبي العيص فولدت له غلامًا بمكة، فكنت أسترضع له، فحملت ذلك الغلام مع أمه فناولتها إياه، فلكاني نظرت إلى قدميك. . .»^(١).

وفي رواية ابن إسحاق: والله ما رأيته منذ ناولتك أمك السعدية التي أرضعتك بذي طوى، فإنني ناولتكها وهي على بعيرها، فأخذتك فلمعت لي قدمك حين رفعتك، فما هو إلا أن وقفت عليّ فعرفت.

قال الحافظ: وبين الرؤيتين قريب من خمسين سنة، فدل ذلك على ذكاء مفرط ومعرفة تامة بالقيافة^(٢).

حضرت ابو هريرة رضي الله تعالى عنه كاحافظ

قال أبو الزُّعَيْرِ عَمَّا كَاتَبَ مَرُوانَ: أَرْسَلَ مَرُوانَ إِلَى أَبِي هُرَيْرَةَ، فَجَعَلَ يَحْدُثُهُ، وَكَانَ أَجْلَسُنِي خَلْفَ السَّرِيرِ أَكْتُبُ مَا يَحْدُثُ بِهِ، حَتَّى إِذَا كَانَ فِي رَأْسِ الْحَوْلِ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ وَأَمَرَنِي أَنْ أَنْظُرَ، فَمَا غَيَّرَ حَرْفًا عَنْ حَرْفٍ^(٣).

(١) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قتل حمزة بن عبد المطلب رضي الله عنه، رقم: ٤٠٧٢.

(٢) فتح الباري: ٣٦٩/٧.

(٣) الإصابة: ٣٥٣/٧ ترجمة أبي هريرة، المستدرک للحاکم: ٥٨٣/٣ رقم:

٦١٦٤، تاريخ دمشق لابن عساکر ٨٩/٢٠، و ٨٧/٣٤١.

ایک اعرابی کے حافظہ کا واقعہ

سنن ابوداؤد میں اسماعیل بن امیہ نے ایک اعرابی سے حدیث نقل کی ہے، وہ اعرابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حدیث سنانے کے بعد اسماعیل کہتے ہیں:

ذهبت أعيد على الرجل الأعرابي، وأنظر لعله، فقال: يا ابن أخي، أظن أني لم أحفظه، لقد حججت ستين حجة، ما منها حجة إلا وأنا أعرف البعير الذي حججت عليه^(۱).

یہ بطور نمونہ صرف تین واقعات ذکر کئے گئے ہیں ورنہ امت میں بے شمار افراد گذرے ہیں جو قوتِ حافظہ میں امتیازی شان رکھنے والے تھے۔

پھر جب معاملہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس سے متعلق ہو تو حضرات صحابہ اور پھر تابعین و اتباع کا اس سلسلہ میں کیا اہتمام ہوتا ہوگا اس کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں۔

خاص طور پر جب حضور اکرم ﷺ نے «نصر الله امرءاً سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه فرب حامل فقه إلى من هو أفقه منه، ورب حامل فقه ليس بفقيه»^(۲)، فرما کر حفظ و وعی کی ترغیب دی ہو تو ان حضرات کی توجہ و اہتمام کا کیا حال ہوگا جو آپ کی ذات میں ہر دم فنار تھے۔

(۱) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب مقدار الركوع والسجود، رقم ۸۸۷

(۲) سنن أبي داود، كتاب العلم، باب فضل نشر العلم، رقم: ۳۶۶۰.

دوسرا طریقہ: تعامل

حفظِ حدیث کا دوسرا طریقہ جس کو حضراتِ صحابہ نے اختیار کیا تھا، وہ آپ کی احادیث، آپ کے فرامین اور آپ کی ہدایات اور افعال پر بعینہ عمل تھا۔ چنانچہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جا بجا تصریح فرماتے جاتے ہیں: «رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل...»، یا فرماتے ہیں: «أبصرته عینای وسمعتہ أذناي ووعاه قلبي...»۔

آپ دیکھیں گے کہ صحابہ کرام مثلاً حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عام لوگوں کے سامنے ان کو سکھلانے کے لئے وضو کر کر کے دکھاتے تھے۔

تیسرا طریقہ: کتابتِ حدیث

حدیث و سنت کی حفاظت کا تیسرا طریقہ جس کو اُمت نے اختیار کیا، وہ ہے کتابتِ حدیث۔ کتابتِ حدیث کا یہ طریقہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلکہ آپ کے سامنے اور آپ کے اپنے امر سے بھی جاری رہا، آپ کے بعد صحابہ کرام کے دور سے لے کر تابعین و تبع تابعین کے دور تک اس طریقہ پر زور و شور سے عمل جاری رہا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تو باقاعدہ سرکاری سرپرستی میں اس کی تدوین و حفاظت کا انتظام ہوتا رہا، جیسا کہ تاریخِ تدوینِ حدیث کے طالبِ علم کے لئے یہ اُمور مخفی نہیں ہیں۔

اگرچہ حدیث کا انکار کرنے والے، دشمنانِ اسلام اور امت میں سیکولر اور لبرل کہلانے والے طبقے اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لئے اُن کی لے سے لے ملا کر آج بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ یہ حدیث کا ذخیرہ محفوظ نہیں اور یہ کہ یہ عجمی سازش

ہے، اور پھر انہوں نے حدیث کے بڑے بڑے رواۃ مثلاً: امام زہری بلکہ صحابہ کرام میں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذوات پر اور اُن کے اخلاق و کردار پر رکیک حملے کئے اور کئے جا رہے ہیں۔ ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ [الصف: ۸]

حفاظتِ حدیث کی چند بنیادی اساسیں

پھر علماء امت نے ان تینوں طرق سے حفاظتِ حدیث کا جواہم فرَضہ انجام دیا، وہ ال ٹپ طریقے سے ہر قسم کی حدیثوں کو یاد کر کے اور جمع کر کے نہیں، بلکہ قبولِ حدیث کے لئے روایتی اور درایتی معیار مقرر کیا اور اُس کے مطابق حدیثوں کی چھان پھٹک کی۔

اسی طرح علماء حدیث نے حفظ و صیانتِ حدیث کے لئے جن علوم و فنون کو ایجاد کیا، ان میں علم جرح و تعدیل، علم عللِ حدیث، علم تاریخ الرواۃ و موالید ہم و وفیات ہم جیسے علوم ہیں۔

اسناد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارشاد براہِ راست سن لیتے تھے تو اُسے کبھی آپ کے واسطے سے تصریح کے ساتھ اور کبھی بلا تصریح روایت کیا کرتے تھے، اسی طرح بہت سے ارشادات وہ ہیں جو صحابہ کرام نے آپ سے براہِ راست نہیں سنے، بلکہ اپنے ان ساتھیوں سے سنے جو مجلس میں حاضر تھے، ایسے حضرات بھی حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو بغیر واسطے کے ذکر کے روایت کر دیتے تھے، یہی صورتِ حال تابعین کے زمانہ میں بھی جاری رہی، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«والله ما كل ما نحدثكم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم سمعناه منه، ولكن لم يكن يكذب بعضنا بعضاً»^(۱).

اسی طرح: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كل الحديث سمعناه من رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يحدثنا أصحابه عنه، كانت تشغلنا عنه رعية الإبل»^(۲).

تاہم جب تابعین کے دور میں ہی غلط عقیدے اور باطل نظریات پھیلنے لگے، تو اب باقاعدہ سند کے ساتھ آپ کے اقوال و افعال نقل ہونے لگے۔ چنانچہ ”صحیح مسلم“ کے مقدمہ میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے سند کے ساتھ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد نقل کیا ہے:

(۱) رواہ الطبرانی فی «الکبیر»، ۱ / ۲۴۶، رقم ۲۹۹، ورجالہ رجال الصحیح۔
انظر: مجمع الزوائد: ۱ / ۵۴، کتاب العلم، باب لا تضرّ الجهالة بالصحابة؛ لأنهم عدول، رقم: ۶۹۰.

(۲) رواہ أحمد: ۳۰ / ۴۵۰، رقم: ۱۸۴۹۳، ورجالہ رجال الصحیح، انظر: مجمع الزوائد: ۱ / ۱۵۴، باب لا تضرّ الجهالة بالصحابة؛ لأنهم عدول، رقم: ۶۹۱.

»لم یكونوا یسألون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنة، قالوا: سَمَّوْا لَنَا رِجَالَكُمْ، فینظر إلى أهل السنة فیؤخذ حدیثهم، وینظر إلى أهل البدع فلا یؤخذ حدیثهم«^(۱).

اس کے بعد سے سند کی اہمیت اس قدر بڑھ گئی کہ اب بلا سند کوئی بھی بات قابل قبول نہیں ٹھہرتی۔

بصرہ کے مشہور تابعی محدث ابو العالیہ رُفیع بن مہران ریاحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

»كنا نسمع الروایة عن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن بالبصرة، فما نرضى حتى نركب إلى المدينة، فنسمعها من أفواههم«^(۲).

سند کی حیثیت کیا ہے؟ اس کی اجمالی کیفیت یوں سمجھ لیجئے کہ:

سند و اسناد اس امت کی خاص الخاص خصائص میں سے ہے، پچھلی امتوں میں سے کسی کو یہ بات حاصل نہیں ہوئی، جبکہ اس امت کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنے نبی سے متعلق کسی بھی بات کو بغیر سند کے نقل نہیں کرتی اور بغیر معتبر سند کے قبول نہیں کرتی۔

امام عبد اللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے:

»الإسناد من الدين، ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء«^(۳).

(۱) مقدمة صحيح مسلم بشرح فتح الملمم: ۱/ ۲۶۴، رقم: ۲۸.

(۲) الكفاية في علم الرواية: ص ۴۰۳.

(۳) مقدمة صحيح مسلم بشرح فتح الملمم: ۱/ ۲۶۵، رقم: ۳۳.

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے:

«بیننا وبين القوم القوائم، يعني: الإسناد»^(۱).

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الإسناد سلاح المؤمن، فإذا لم يكن معه سلاح فبأي شيء يقاتل؟!^(۲).

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«ما ذهاب العلم إلا ذهاب الإسناد»^(۳).

امام شعبۃ بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«كل حديث ليس فيه حدثنا، أو أخبرنا فهو خلل وبطل»، أي: لا قيمة له^(۴).

حضرات سلف کے نزدیک ”سند“ کی کیا اہمیت تھی، اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ یہ حضرات بسا اوقات صرف ایک ایک کلمہ کی تفسیر کے بیان کے لئے پوری پوری سند نقل کرتے ہیں، اس کی مثالوں کے لئے دیکھئے: تفسیر طبری۔

اور پھر یہ معاملہ صرف دینی امور کی حد تک نہیں، بلکہ لغت و ادب کی کتابوں میں بھی ایک ایک دود و کلموں کی تفسیر و تشریح کے لئے بھی بسا اوقات پوری پوری سند نقل کرنے لگے۔

(۱) مقدمة صحيح مسلم بشرح فتح الملهم: ۱/ ۲۶۶، رقم: ۳۴.

(۲) شرح علل الترمذي: ۱/ ۳۶۰.

(۳) شرح علل الترمذي: ۱/ ۳۶۰.

(۴) المحدث الفاصل، ص ۵۱۷.

امام ابو داؤد اور رحمۃ اللہ علیہ کی صنیع معروف ہے کہ جب کسی حدیث میں غریب الفاظ و کلمات آجاتے ہیں تو ان کے معانی ذکر کرتے ہیں اور ان کو بھی سندوں کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر دیکھئے: باب تفسیر اُسنانِ الابل۔

سند کی اہمیت اور اس کی حقیقت یہاں تک بڑھی کہ صرف حدیث شریف کی روایت نہیں، بلکہ اہل اسلام کے ہاں جس قدر علوم و فنون رائج ہیں، تفسیر، فقہ، تاریخ، رجال، آساب، لغت، نحو، ادب اور اسی طرح دیگر علوم و فنون کے اخذ و تلقی میں بھی اس کا دخل رہا اور ان سے متعلق تصنیف کردہ کتب کو سند کے ساتھ حاصل کرنے لگے۔

علم الجرح والتعديل

حدیث کے قبول و رد کے لئے یوں تو اس کے نقد اور پرکھنے کا سلسلہ دورِ صحابہ سے شروع ہو چکا تھا، تاہم حضرات تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں چونکہ حاجت بڑھتی رہی اور تقاضا شدت پکڑتا گیا اس لئے اس میں بے حد توسع ہوا۔

حضرات سلفِ متقدمین نے اس سلسلہ میں کلام کرتے ہوئے نہایت اختصار اور جامعیت کا لحاظ رکھا، اجمال و ابہام والے جملے استعمال کئے، جبکہ متاخرین کے زمانے میں ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے ان کی زبان میں شدت آتی گئی۔
ذرا سلف کا انداز دیکھئے:

ابن سیرین تزکیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ہو کما یشاء اللہ“ اور جب جرح کرتے ہیں: ”ہو کما یعلم اللہ“^(۱)۔

ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”لم یکن بمستقیم اللسان“۔

اسی طرح فرماتے ہیں: ”ہو یزید فی الرقم“^(۲)۔

لیکن حضرات متاخرین نے ”کذاب، دجال، وضاع، دجال من الذجاجلة، رکن من أركان الكذب“ جیسے بھاری بھرکم الفاظ استعمال کئے۔ علماء جرح و تعدیل نے نقدِ رواۃ کے سلسلہ میں رواۃ کے طبقات مقرر کئے اور ایسے قواعد وضع کئے جس سے معلوم ہو سکے کہ کس راوی کی حدیث کو قبول کیا جائے گا اور کس کو رد کیا جائے گا، پھر راوی کی ذات، اس کی مرویات، شیوخ، قوتِ حافظہ، بھول چوک، ضبط و اتقان، اختلاط و تغیر، تحللِ روایت، اداءِ روایت، اس کی جوانی، کھولت اور بڑھاپا، اس کے حضور و سفر جیسے تمام امور کو زیرِ بحث لایا ہے۔

پھر ایک راوی دوسرے راوی کے مقابلہ میں ”أحفظ وأضبط“ ہے یا نہیں، صحبت و ملازمتِ طویلہ ہے، یا نہیں، غرضیکہ ایک راوی کے معاملہ کو واضح کرنے کے لئے ممکنہ تمام پہلوؤں پر بحث کی ہے۔

(۱) شرح نہج البلاغۃ لابن أبی الحدید.

(۲) مقدمہ صحیح مسلم بشرح فتح الملکم: ۲/۲۵، رقم: ۲۸۔

یہیں سے وضاعین و کذابین و دجالین، اسی طرح ضعفاء و مجاہیل بھی کھل کر سامنے آگئے، ایسے رواۃ کی دخل اندازی سے سنتِ مطہرہ بالکل نزہ اور پاک صاف ہو گئی۔ واللہ الحمد

پھر۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرات علماء محدثین کو۔ انہوں نے حدیثِ رسول کی صیانت کے پیش نظر کسی قسم کی مصلحت بینی یا کسی بھی قسم کے سمجھوتے سے کام نہیں لیا، بڑے سے بڑے رواۃ کو آزمائش کی بھٹی میں ڈالا، بطائف الجیل ان کے حافظہ کا امتحان لیا، اس سلسلہ میں عجیب و غریب مشقتیں جھیلیں اور کسی رشتہ ناتے کو آڑے آنے نہیں دیا۔

امام علی بن المدینی اور ان کے والد

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ سے جب ان کے والد کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے پہلے تو فرمایا کہ کسی اور سے پوچھو، لیکن پوچھنے والوں نے اصرار کیا تو فرمایا: ”هذا هو الدین، أبي ضعيف“ (یعنی دیانت و امانت کی بات یہی ہے کہ میرے والد ضعیف ہیں) (۱)۔

امام وکیع اور ان کے والد

امام وکیع جب بھی اپنے والد سے کوئی روایت نقل کرتے تو یوں فرماتے: ”حدثنا أبي وسفيان، أبي وإسرائيل“، بہت کم ان سے تنہا روایت لیتے

تھے، گویا جب بھی ان سے روایت لیتے کسی اور کے ساتھ مقرون روایت کرتے تھے، بظاہر وجہ یہ تھی کہ ان کے والد بیت المال کے ذمہ دار تھے^(۱)۔

امام ابو داؤد اور ان کے عالم فاضل صاحبزادے

امام ابو داؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ابن عبد اللہ کذاب“^(۲)۔

زید بن ابی انیسہ اور ان کے بھائی

زید بن ابی انیسہ اپنے بھائی یحییٰ بن ابی انیسہ کے بارے میں کہا کرتے تھے:

”لا تأخذوا عن أخي“^(۳)۔ (الثقات للعجلی، ص ۲۰)

جریر بن عبد الحمید ضبی اور ان کے بھائی

مشہور راوی جریر بن عبد الحمید ضبی سے ان کے بھائی انس بن عبد الحمید ضبی

کے بارے میں پوچھا گیا تو بتایا: ”لا یکتب عنه؛ فإنه یکذب فی کلام الناس“^(۴)۔

امام شعبہ اور امام یحییٰ بن سعید القطان

ایک مرتبہ امام شعبہ کا دیگر محدثین کا اختلاف ہوا، کسی حکم کو مقرر کرنے کی

نوبت آئی، امام شعبہ نے اپنے شاگردِ خاص یحییٰ بن سعید القطان کو حکم کے طور پر مقرر

(۱) سؤالات أبی عبید الآجری: ص ۱۳۴۔

(۲) تذکرۃ الحفاظ: ۲/۲۳۸۔

(۳) الثقات للعجلی، ص ۲۰۔

(۴) الجرح والتعديل لابن أبی حاتم: ۲/۲۸۹۔

کر دیا، تمام حضرات کی باتیں سن کر یحییٰ القطان نے اپنے استاذِ محترم کے خلاف فیصلہ سنا دیا^(۱)۔

امام یحییٰ بن معین اور امام ابو نعیم الفضل بن دکین

احمد بن منصور رمادی ناقل ہیں کہ میں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے ساتھ بطورِ خادم امام عبدالرزاق صنعانی سے حدیثیں سننے گیا، والہی میں جب ہم کو فہ پہنچے تو یحییٰ بن معین نے کہا کہ میں ابو نعیم کا امتحان لینا چاہتا ہوں، امام احمد نے فرمایا کہ یہ آدمی ثقہ ہیں خواہ مخواہ مصیبت میں پھنسو گے، لیکن یحییٰ بن معین نہیں مانے، انہوں نے ابو نعیم کی تیس احادیث کا انتخاب کیا، لیکن آزمائش کے لئے ہر دس حدیث کے بعد کسی اور کی ایک روایت داخل کر دی، امام ابو نعیم کے گھر میں جب پہنچے تو وہ ان کو لے کر گھر کے دروازہ پر چبوترے پر بیٹھ گئے، دائیں طرف احمد بن حنبل بیٹھ گئے، بائیں طرف یحییٰ بن معین اور سامنے نیچے احمد بن منصور رمادی۔

یحییٰ بن معین حدیثیں پڑھنے لگے، دس حدیثوں تک تو امام ابو نعیم ”نعم نعم“ کہہ کر تصدیق کرتے رہے اور اجازت دیتے رہے، لیکن گیارہویں حدیث پہ آکر انہوں نے تنبیہ کی کہ یہ حدیث میری نہیں ہے، اس کو مٹا دو۔

پھر آگے دس حدیثیں اسی طرح پڑھی گئیں اور گیارہویں اضافہ کردہ حدیث پر پھر تنبیہ فرمائی۔

اس کے بعد جب دس حدیثیں پڑھیں اور گیارہویں حدیث سامنے آئی تو امام ابو نعیم نے امام احمد کا بازو پکڑا اور کہا: ”أما هذا فأورع أن يفعل مثل هذا“ ان کی شان تو ایسی حرکت سے بہت بلند و بالا ہے، پھر امام احمد بن منصور رمادی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ان کی ایسی جرأت نہیں ہو سکتی۔

اور آخر میں یحییٰ بن معین کی طرف دیکھا اور فرمایا: ”هذا من فعلك یا فاعل“ کہ یہ صرف تمہاری ہی شرارت ہو سکتی ہے، یہ کہہ کر زوردار لات رسید کی کہ وہ چبوترے سے نیچے گر پڑے اور خود اٹھ کر گھر چلے گئے۔

امام احمد نے یحییٰ بن معین سے کہا کہ میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا، پھر بھی تمہیں نادیدنی دیکھنی ہی پڑی۔

اب سنئے یحییٰ بن معین کا جواب! فرمانے لگے: ”والله لرفسته أحبّ إليّ من سفرتي“ بخدا مجھے اپنے پورے سفر کے مقابلہ یہ لات زیادہ عزیز ہے کہ مجھے اس شخص کی ثقاہت اور مثبت کالیفین ہو گیا^(۱)۔ (۱)

امام یحییٰ بن معین اور موسیٰ بن اسماعیل تبوزکی

امام یحییٰ بن معین ایک مرتبہ ابو سلمہ موسیٰ بن اسماعیل تبوزکی کے پاس آئے اور عرض کیا کہ: ابو سلمہ! آپ سے ایک وضاحت پوچھنا چاہتا ہوں، آپ ناراض نہ ہوں۔

عرض کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث الغار آپ ”ہمام عن ثابت عن أنس عن أبي بكر“ روایت کرتے ہیں، یہ روایت آپ کے شاگردوں میں سوائے عفان و حبان کے کوئی اور روایت نہیں کرتا، پھر مجھے یہ حدیث آپ کی کتاب کے اندر نہیں ملی، بلکہ پشت پر لکھی ہوئی ملی ہے۔

موسیٰ بن اسماعیل نے پوچھا: تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟

یحییٰ بن معین نے عرض کیا کہ: میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے حلف دے کر یقین دلائیں کہ آپ نے یہ حدیث ہمام سے سنی ہے۔

استاد نے فرمایا: یحییٰ! تم کہتے ہو کہ تم نے مجھ سے بیس ہزار حدیثیں لکھی ہیں، اگر میں تمہارے نزدیک ان میں سچا ہوں، تو تمہیں ایک حدیث میں میرے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے اور اگر میں جھوٹا ہوں تو تمہیں چاہئے کہ ان تمام حدیثوں میں بھی میری تصدیق نہ کرو اور نہ ہی مجھ سے کوئی حدیث لکھو، بلکہ میری تمام حدیثوں کو پھینک دو۔

لیکن یحییٰ بن معین کا اصرار جاری رہا، اس پر فرمایا:

میری بیوی برہ بنت ابی عاصم کو تین طلاق، اگر میں نے ہمام سے یہ روایت نہ سنی ہو، اور خدا کی قسم! میں تم سے کبھی بات نہ کروں گا^(۱)۔

یہ چند واقعات ہیں جو آپ کے سامنے پیش کئے گئے، حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو أعداء کے دس و تزویر اور اپنوں کی ”سادگی“ سے

محفوظ رکھنے کے لئے حضرات محدثین نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت کیا، نہ کسی مصلحت و قرابت کو آڑے آنے دیا۔

یوں بھی ”غضبات المحدثین“ ایک معروف شے ہے کہ بظاہر بات معمولی سی ہوگی، لیکن چونکہ معاملہ حدیث رسول کی صیانت کا ہے اس لئے کبھی تو ترک حدیث سے کام لیتے نظر آئیں گے اور کبھی ترک تعلقات سے، اور کبھی ”عدو اللہ“ کے لقب سے نوازتے دکھائی دیں گے۔

چنانچہ یہی وہ ”نقدِ رواۃ“ ہے جس نے آگے جا کر باقاعدہ ”علم الجرح و التعديل“ کی شکل اختیار کر لی، اس کے مخصوص علماء ہیں، ہر ایک کو اس کا اہل نہیں سمجھا گیا، اس کے مخصوص قواعد و ضوابط ہیں اور دائرۂ کار متعین کئے گئے۔

اسی ”نقدِ رواۃ“ ہی کے ضمن میں علم تاریخ، بالخصوص ”علم تاریخ اسماء الرواة و موالیدہم و وفیاتہم“ کی اہمیت واضح ہو کر سامنے آئی، راوی اور مروی عنہ کے درمیان اتصال و لقاء ہے یا نہیں؟ ایک دوسرے سے سماع حاصل ہے یا نہیں؟ یا ایک دوسرے سے حذف واسطہ کے ساتھ روایت کرتا ہے؟ یہیں سے بہت سارے دھوکے بازوں اور بڑبولوں کی قلعی کھل جاتی ہے جو سماع کا دعویٰ تو کر بیٹھتے ہیں، لیکن ”تاریخ“ کے پوچھے جانے پر ان کے جھوٹ کا پول کھل جاتا ہے۔

چنانچہ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

«لما استعمل الرواة الكذب، استعملنا لهم التاريخ»^(۱)۔

اسی طرح امام ابو عبد اللہ الحمیدی فرماتے ہیں:

«ثلاثة أشياء من علم الحديث يجب تقديم العناية بها: العلل... والمؤتلف والمختلف...، ووفيات الشيوخ...»^(۱).

علم علل الحديث

حدیثِ رسول ﷺ کی حفاظت و صیانت کے لئے حضراتِ محدثین نے جن علوم سے کام لیا، ان میں سے ایک علم ”علل الحدیث“ کا بھی ہے۔

بسا اوقات حدیث کے دونوں جزء یعنی سند و متن میں بظاہر کوئی مغز یا عیب نہیں ہوتا، لیکن حضراتِ محدثین نے فنِ حدیث کی کثرتِ مزاوت سے ایسا ملکہ حاصل کیا ہوا ہوتا ہے اور ان کو ایسی بصیرت اور فہمِ ثاقب حاصل ہوتی ہے کہ وہ بظاہر بالکل درست دکھائی دینے والی حدیثوں کے تمام مغامز اور عیوب کو واضح کر دیتے ہیں، اس علم کی دقتِ شان کا اظہار کرتے ہوئے اس کو ”الہامی علم“ بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

حضراتِ محدثین حدیث کی صحت کو جانچنے کے لئے صرف اس کی سند کی صحت پر اکتفاء کر کے نہیں بیٹھ جاتے، بلکہ اس کو ہمہ جہتی طور پر پرکھتے ہیں، ایسی جانچ اور پرکھ اس کے متن کی بھی ہوتی ہے، خواہ سند کیسی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو، اگر متن میں کوئی خرابی محسوس ہوتی ہے تو محدثین ایسی حدیثوں کو رد کر دیتے ہیں۔

دیکھئے! امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے جب فاطمہ بنت قیس کا واقعہ نقل کیا کہ ان کو ان کے شوہر نے تین طلاقیں دے دی تھیں اور یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کے لئے نہ تو سکنیٰ مقرر فرمایا اور نہ نفقہ۔

اس موقع پر اسود بن یزید (جلیل القدر تابعی) موجود تھے، انہوں نے ایک مٹھی کنکروں کی اٹھائی اور دے ماری اور فرمایا:

«ویلک! تحدث بمثل هذا؟ قال عمر: لا نترك كتاب ربنا

وسنة نبينا ﷺ لقول امرأة لا ندرى حفظت أو نسيت...»^(۱).

اس طرح ”صحیح مسلم“ کے مقدمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں مذکور ہے:

«فدعا بقضاء علي، فجعل يكتب منه أشياء ويمرّ بالشيء،

فيقول: والله، ما قضى بهذا علي، إلا أن يكون ضلّ»^(۲).

حضرات محدثین نے ”نقدِ متن“ کے اس اصول کو بھرپور ملحوظ رکھا، یہی وجہ ہے کہ حدیث صحیح کی تعریف کرتے ہوئے انہوں نے قید لگائی کہ اس میں ”شدوز“، ”بھی نہ ہو اور“ ”علت“، ”بھی نہ ہو۔“

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

(۱) صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثاً لا نفقة لها، رقم: ۱۴۸۰.

(۲) مقدمة صحيح مسلم بشرح فتح الملهم: ۱/ ۲۶۲، رقم: ۲۳، باب النهي

عن الرواية عن الضعفاء والاحتياط في تحملها.

» کنا نسمع الحديث فنعرضه على أصحابنا كما يعرض الدرهم الزيف على الصيارفة، فما عرفوا منه أخذنا وما أنكروا منه تركنا»^(۱).

نقدِ رواۃ اور جرح و تعدیل کے سلسلے میں ائمہ کی خدمات

”علم الرجال“، یا ”علم أسماء الرجال“ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ یہ مسلمانوں کا وہ مخصوص فن ہے، جس پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ اس فن پر لکھنے والے حضرات نے مختلف انداز اختیار کئے:

بعض تو وہ حضرات ہیں، جنہوں نے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کو بیان کرنے کے لئے کتابیں لکھیں، حضراتِ صحابہ کرام کے بارے میں جمع کردہ کتابوں کا موضوع ظاہر ہے کہ ”نقدِ رواۃ“ اور ”جرح و تعدیل“ نہیں ہے؛ کیوں کہ صحابہ کرام سب کے سب ”مقبول الروایۃ“ ہیں اور ان کے ”عدول“ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

صحابہ کرام کے تذکرہ کے بعد ”جرح و تعدیل“ اور ”رواۃ کے حالات“ کی جانچ پرکھ کے اعتبار سے علماء نے جو خدمات انجام دیں، وہ مختلف اور ہمہ جہتی نوعیت کی ہیں:

۱۔ بعض حضرات نے طبقات میں تقسیم کر کے ان کا تذکرہ کیا، جیسے: طبقات

ابن سعد، طبقات خلیفہ بن خیاط۔

۲۔ بعض حضرات نے عمومی رواۃ (ثقة ہوں یا غیر ثقة) کو موضوع بنا کر حروفِ تہجی کی ترتیب سے ان کو جمع کیا، جیسے: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ”التاریخ الكبير“، امام ابن ابی حاتم کی ”كتاب الجرح والتعديل“۔

۳۔ بعض حضرات نے صرف ثقة رواۃ پر قلم اٹھایا، جیسے: ”الثقات“ لابن شاہین، ”الثقات“ للعجلی۔

۴۔ جب کہ بعض حضرات نے صرف ضعفاء کے لئے مختلف تصنیفات لکھیں، جیسے: ”الکامل في ضعفاء الرجال“، ”میزان الاعتدال“ اور ”لسان المیزان“۔

۵۔ بعض حضرات نے کسی ایک مخصوص کتاب کے رواۃ کو اپنا موضوع بنایا، جیسے: علامہ باجی کی ”التعديل والتجريح لمن خرج له البخاري في الصحيح“۔

۶۔ بعض حضرات نے کئی کتابوں کے رجال پر مجموعی طور پر کام کیا، جیسے: ”تعجيل المنفعة برجال الأئمة الأربعة“۔

اس سلسلے میں اصولِ ستہ پر سب سے پہلے علامہ مقدسی نے ”الکمال“ کے نام سے کتاب لکھی، ان کے بعد حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تہذیب الکمال“ کے نام سے ضخیم ترین کتاب لکھی، ان کے بعد حافظ ذہبی نے ”تذہیب تہذیب الکمال“ کے نام سے اس کی خدمت کی، اسی طرح حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الکاشف“ کے نام سے اپنی ”تذہیب“ کا شاندار خلاصہ لکھا۔

حافظ خزرجی نے ”خلاصة تذهيب تہذیب الکمال“ کے نام سے اس کا خلاصہ لکھا۔

حافظ مغلٹای نے ”إكمال تهذيب الكمال“ کے نام سے ”تہذیب الکمال“ پر تعقب اور اضافہ جات کئے۔

پھر حافظ سبط ابن العجمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۴۱ھ) نے ”نہایۃ السؤل فی رواۃ الستۃ الأصول“ کے نام سے اصولِ ستہ کے رجال پر شاندار کام کیا۔
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”إكمال تهذيب الكمال“ سے استفادہ کرتے ہوئے ”تہذیب الکمال“ کی تہذیب ”تہذیب التہذیب“ کے نام سے کی، پھر اپنی اس کتاب کی تلخیص ”تقریب التہذیب“ کے نام سے کی۔
بہر حال یہ ”مشتہ نمونہ از خروارے“ آپ کے سامنے اس کا مختصر سا تذکرہ کیا گیا ہے، ورنہ الحمد للہ! اس موضوع پر ائمہ محدثین نے ایک پورا عظیم الشان مکتبہ قائم کر دیا ہے۔

وفیات پر مولفات :

آپ حیران ہوں گے کہ ہمارے علماء نے صرف ”وفیات شیوخ و محدثین“ پر بیسیوں کتابیں چھوڑی ہیں۔ اس سلسلے میں حافظ ابو یعقوب القزّاب (متوفی ۴۲۹ھ)، ابن مندہ (متوفی ۴۷۰ھ)، حافظ ذہبی نے ”تاریخ الاسلام“ کے نام سے کتابیں لکھیں۔
قاضی عبد الباقی بن قانع (متوفی ۳۵۱ھ) اور قاضی ابو سلیمان محمد بن عبد اللہ بن زبرد مشقی (متوفی ۳۷۹ھ) نے ”وفیات“ پر کتابیں لکھیں۔ پھر ”وفیات ابن زبر“ پر ان کے شاگرد حافظ کتانی (متوفی ۴۶۶ھ) نے ”ذیل“ تحریر کی، پھر کتانی کے شاگرد علامہ حبیب اللہ اکفانی (متوفی ۵۲۴ھ) نے ایک ”ذیل“ تحریر کی۔
اکفانی کے ”ذیل“ پر ابو الحسن علی بن الفضل مقدسی (متوفی ۶۱۱ھ) نے ”وفیات النقلة“ کے نام سے ”ذیل“ تحریر کی، ان کے بعد ان کے شاگرد حافظ

منذری (متوفی ۶۵۶ھ) نے ”التکملة لوفیات النقلة“ کے نام سے زبردست تکملہ لکھا۔

منذری کے بعد ان کے شاگرد عزالدین احمد بن محمد الشریف الحسینی (متوفی ۶۹۵ھ) نے ”صلة التکملة لوفیات النقلة“ کے نام سے ”ذیل“ تحریر کی۔ پھر اس پر حافظ احمد بن ایبک دمیاطی (متوفی ۷۴۹ھ) نے ”ذیل“ تحریر کی، ابن ایبک کے ذیل پر حافظ عراقی نے اور ان کے بعد ان کے صاحبزادے ولی الدین عراقی نے ”ذیل“ تحریر کی۔

علل الحدیث پر مؤلفات

علل حدیث پریوں تو بہت سی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، تاہم یہاں اُن میں سے اہم اہم کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

”علل“ پر عمومی طور پر کلام کرنے والی کتابیں

- ۱۔ التاريخ والعلل لیحيي بن معين (۲۳۳ھ) رواية الدُّوري
- ۲۔ العلل لعلی بن المدیني (۲۳۴ھ) رواية ابن البراء
- ۳۔ العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد (۲۴۱ھ) رواية ابنه

عبدالله

- ۴۔ الجامع في العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد (۲۴۱ھ) رواية ابنه عبدالله وصالح، وتلميذه المروزي والميموني.
- ۵۔ العلل للإمام محمد بن إسماعيل البخاري (۲۵۶ھ) في غضون «جامع الترمذي»، والعلل الكبير للترمذي
- ۶۔ التمييز للإمام مسلم بن الحجاج (۲۶۱ھ)

- ۷۔ العلل لأبي بكر الأثرم (۲۷۳ھ)
- ۸۔ العلل الكبير لأبي عيسى الترمذي (۲۷۹ھ) غير مرتب،
ورثه أبو الوليد القاضي
- ۹۔ العلل لأبي بكر الخلال (۳۱۱ھ)
- ۱۰۔ العلل لابن أبي حاتم (۳۲۷ھ) مرتب على أبواب الفقه،
جمع الكتابين عن الإمامين أبي حاتم وأبي زرعة الرازيين
- ۱۱۔ العلل لأبي علي النيسابوري (۳۴۹ھ)
- ۱۲۔ العلل الواردة في الأحاديث، لأبي الحسن علي بن عمر
الدارقطني (۳۸۵ھ)
- ۱۳۔ العلل المتناهية في الأحاديث الواهية لابن الجوزي
(۵۹۷ھ)
- ۱۴۔ الزهر المطلول في الخبر المعلول للحافظ ابن حجر
العسقلاني (۸۵۲ھ)

خصوصی کتب کی علل پر کلام کرنے والی چند کتابیں

- ۱۔ الاستدراکات للدارقطني على أحاديث الصحيحين
- ۲۔ تقييد المهمل وتمييز المشكل للحافظ أبي علي الغساني
الجواني (۴۹۸ھ) على الصحيحين
- ۳۔ بيان الوهم والإيهام في كتاب الأحكام (أي: الأحكام
الكبرى لعبد الحق الإشبيلي) لأبي الحسن ابن القطان (۶۲۸ھ)

۴۔ ہدی الساری مقدمة فتح الباری، الفصل الثامن (ناقض
فیه الحافظُ إعلال الدار قطنی)

۵۔ علل أحادیث الزهري۔ لمحمد بن یحیی الذہلی (۲۵۸ھ)

۶۔ علل حدیث الزهري لابن حبان البستی (۳۵۴ھ)

۷۔ علل الحدیث المسلسل بیوم العید للحافظ عبد اللہ بن

یوسف الجرجانی (۴۸۹ھ)

”علل“ کی بعض وہ کتابیں جن میں بعض احادیث کی علل کو واضح کیا گیا ہے

۱۔ الجامع الصحيح للبخاري

۲۔ الجامع الصحيح لمسلم

۳۔ الجامع لأبي عيسى الترمذي

۴۔ السنن للنسائي

۵۔ السنن لأبي داود

۶۔ المسند الكبير ليعقوب بن شيبه (۲۶۲ھ)

۷۔ البحر الزخار: مسند البزار لأبي بكر البزار (۲۹۲ھ)

وہ کتابیں جن میں ”علل“ پر ضمناً وقیع کلام پایا جاتا ہے

(الف) کتب التخریج

۱۔ نصب الراية في تخریج أحادیث الهداية للإمام جمال الدين

عبد اللہ بن یوسف الزیلعی (۷۲۶ھ)

- ۲۔ المغنی عن حمل الأسفار للإمام عبدالرحیم بن الحسین العراقي (۸۰۶ھ) علی إحياء علوم الدين
- ۳۔ التلخیص الحبر فی تخریج أحادیث شرح الرافعی الكبير للحافظ ابن حجر (۸۵۲ھ)
- ۴۔ الدراية فی تخریج أحادیث الهداية للحافظ ابن حجر (۸۵۲ھ)

(ب) کتب الرجال

کتب اسماء الرجال میں خاص طور پر ”ضعفاء“ کے بیان پر لکھی جانے والی کتابوں میں ”علل“ پر وقع کلام ملتا ہے:

- ۱۔ الكامل فی ضعفاء الرجال
- ۲۔ الضعفاء الكبير للعقيلي
- ۳۔ الضعفاء لابن حبان

(ج) شرح حدیث

شرح حدیث جن کے مصنفین متمکنین اور را سخنین فی علوم الحدیث ہیں، اُن کی کتابوں میں علل حدیث کی خاصی بحثیں ملتی ہیں:

- ۱۔ التمهيد لابن عبد البر
- ۲۔ شرح النووي علی صحيح مسلم
- ۳۔ النفخ الشذي لابن سيد الناس
- ۴۔ تكملة النفخ الشذي للعراقي
- ۵۔ تعليقات ابن القيم علی تهذيب سنن أبي داود للمنذري

- ۶۔ فتح الباری لابن حجر
- ۷۔ عمدة القارئ للعینی
- ۸۔ فیض القدير للمناوی
- ۹۔ نیل الأوطار للشوکانی
- ۱۰۔ إعلاء السنن للعلامة ظفر أحمد العثماني
- ۱۱۔ فتح الملهم للعلامة شبیر أحمد العثماني
- ۱۲۔ تکملة فتح الملهم للعلامة محمد تقي العثماني

(د) فقہی شروح

- ۱۔ الاستذکار لابن عبد البر
 - ۲۔ المغنی لابن قدامة
 - ۳۔ المجموع شرح المذهب للنووي
 - ۴۔ تبیین الحقائق للزیلعی
 - ۵۔ فتح القدير لابن الهمام
- حدیث ”موضوع“

”موضوع“ کی لغوی و اصطلاحی تعریف

موضوع: کالفظ ”وَضَعَ يَضَعُ وَضْعًا“ سے بنا ہے، اس کے معنی کسی چیز کو گھڑنے کے ہیں۔

کہا جاتا ہے: وَضَعَ الرَّجُلُ الْحَدِيثَ: جھوٹ گھڑنا۔

حدیث موضوع: جھوٹی اور گھڑی ہوئی حدیث کو کہتے ہیں۔

رجُلٌ و ضَاعُ: جھوٹا، جھوٹ باندھنے والا۔

اصطلاح میں حدیث موضوع کہتے ہیں: اس حدیث کو جو درحقیقت حضور اکرم ﷺ سے قولاً، فعلاً یا تقریراً، کسی طرح بھی صادر نہ ہو، لیکن آپ ﷺ کی طرف اسے منسوب کر کے بیان کر دیا گیا ہو، چاہے یہ نسبت جان بوجھ کر کی جائے یا غلطی سے، نادانستگی میں کی جائے یا سازش و مکر کے طور پر۔

سو حضور اکرم ﷺ کی طرف جس کسی چیز کی نسبت کی گئی ہو اور آپ ﷺ سے حقیقۃً وہ ثابت شدہ یا صادر شدہ نہ ہو، تو ایسی حدیث کو ”موضوع“ کہتے ہیں۔

کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شاعت

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«من کذب علیّ متعمداً، فلیتبوأ مقعده من النار»^(۱)۔

حضرات اہل علم جانتے ہیں کہ ”کذب“ خلاف واقعہ خبر دینے کو کہتے ہیں، خواہ عمداً ہو یا سہواً ہو، اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک یہی ہے، جب کہ معتزلہ کے نزدیک ”کذب“ کے لئے خلاف واقعہ خبر کا تعمداً اور قصد کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔

لہذا حدیث کے موضوع ہونے کے لئے اس کا خلاف واقعہ ہونا ہی کافی ہے، اگرچہ نسیاناً یا سہواً و خطاً خلاف واقعہ خبر دینے کی وجہ سے گناہ گار نہیں ہوگا، حدیث کی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من النیاحۃ علی المیت، رقم: ۱۲۹۱، مقدمۃ صحیح مسلم، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۱/ ۳۵۴، رقم: ۳۔

وعید کو متعمد کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہی ہے کہ خطاؓ وسہواؓ اور نسیاناً اگر کوئی شخص ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے، تو پھر اگرچہ وہ حدیث موضوع ہوگی، لیکن اس کا مرتکب اس وعید کا مستحق نہیں ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھنے کی شاعت اس وجہ سے بھی بڑھی ہوئی ہے کہ اس میں مفسدہ بہت بڑا ہے؛ کیوں کہ اگر یہ جھوٹ بحیثیت قول و فعل رسول ﷺ رائج ہو جائے، تو یہ قیامت تک کے لئے شریعت کا حصہ بن جائے گا، جب کہ آپ ﷺ کے سوا کسی اور پر جھوٹ باندھنے یا جھوٹی شہادت دینے کا نقصان عمومی نہیں ہے۔

علامہ سنوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس بات میں شک نہیں کہ عداً جھوٹ بولنا بہر حال حرام ہے، البتہ! بعض مستثنیات ہیں، پھر یہ حرمت بہت مؤکد ہو جاتی ہے جب حضور ﷺ کی احادیث سے متعلق جھوٹی خبر ہو؛ کیونکہ یہ درحقیقت خود اللہ رب العزت پر جھوٹ باندھنا ہے، وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمادیا: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ ﴿[النجم: ۳-۴]﴾ کہ آپ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ ہوائے نفس کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی بنیاد پر ارشاد فرماتے ہیں، اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے تو گویا وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ وحی نازل کی ہے، سو یہ افتراء علی اللہ ہے^(۱)۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الأنعام: ۱۴۴]۔

امام نووی کے بیان کردہ چند فوائد

اس حدیث کی تشریح میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے چند فوائد مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) اہل سنت والجماعۃ کے قول کے مطابق ”کذب“ ہر قسم کی خلاف واقعہ خبر کو کہتے ہیں، خواہ عمد آہو یا سہو آہو۔

(۲) حضور اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھنا عظیم گناہ ضرور ہے تاہم اس کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا، بلایہ کہ وہ اس عمل کو جائز قرار دیتا ہو، امام الحرمین کے والد ابو محمد الجوبینی کا قول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی طرف عمداً جھوٹی بات منسوب کر کے روایت کرنے والا کافر ہو جائے گا، لیکن خود امام الحرمین اور جمہور علماء نے اس کو رد کیا ہے۔

اور اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور اس توبہ پر برقرار بھی رہتا ہے تو پھر بھی بہت سے کبار علماء کا فیصلہ ہے کہ اس کی روایات پھر قبول نہیں کی جائیں گی۔

لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ کمزور بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ جب توبہ بشر و طہا ثابت ہو جائے تو اس کی حدیثیں قبول کی جائیں گی۔

(۳) حضور اکرم ﷺ کی طرف نسبت کر کے جو بات گھڑ کر بیان کی جا رہی ہو اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ”احکام“ اور حلال و حرام سے متعلق ہو، بلکہ اگر وہ ترغیب و ترہیب اور فضائل و مناقب سے متعلق ہو تب بھی حرام ہی ہوگی، اس پر امت کا اجماع ہے۔

برخلاف کرامیہ کے، کہ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص ترغیب و ترہیب اور فضائل و رقائق میں کوئی حدیث گھڑ لیتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

اس طائفہ مبتدعہ کی اتباع میں ایسے جہال بھی شامل ہو گئے جو بظاہر بزرگ دکھائی دیتے ہیں اور زہد و اتقاء سے موصوف ہیں۔

ان لوگوں کو ایک روایت سے بھی شبہ ہوا جس میں وارد ہے ”من کذب علی متعمداً؛ لیضل بہ فلیتبعوا مقعده من النار“۔

ان کا کہنا یہ ہے کہ اس حدیث میں ”من کذب علی“ کہا گیا ہے ”من کذب لی“ نہیں کہا گیا، ”کذب علی فلان“ اور ”کذب لفلان“ میں فرق ہے۔

لیکن یہ لغت عرب سے جہالت کا شاخسانہ ہے، لغت میں کہیں ”علی“ اور ”لام“ کا فرق نہیں ہے۔

اسی طرح ان کا کہنا یہ ہے کہ اس میں ”لیضل بہ“ کی قید ہے یعنی: گویا اگر اضلال مقصود ہو تو کذب علی النبی پر وعید ہے، ورنہ نہیں۔

حضرات علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ:

اولاً: ”لیضل بہ الناس“ کا اضافہ ثابت ہی نہیں ہے۔

ثانیاً: اگر بالفرض ثابت ہو تو یہ تاکید کے لیے ہے جب کہ: ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ

مِمَّنْ افترى على الله كذباً ليضل الناس بغير علم﴾ [الأنعام: ۱۴۴] میں تاکید کے لیے ہے۔

نتیجہ: یہ ”لام“، تعلیل اور علت بیان کرنے کے لیے ہے ہی نہیں، بلکہ یہ لام تو ضرورت اور عاقبت کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس جھوٹ کا مصیر اور انجام اضلال اور گمراہی ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿فَأَلْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا﴾ [القصص: ۸] ^(۱)۔

(۴) موضوع حدیث کو روایت کرنا حرام ہے، ہر اس شخص کے لیے جس کو قطعی طور پر معلوم ہو، یا ظن غالب کے طور پر کہ یہ موضوع ہے۔

لہذا جو شخص بھی موضوع حدیث جانتے بوجھتے بیان کرتا ہے اور وہ اس کے موضوع ہونے کو بیان نہیں کرتا، وہ اس حدیث کی وعید میں داخل ہو جائے گا۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين“ ^(۲)۔

)

یہی وجہ ہے کہ حضرات علماء کرام فرماتے ہیں:

(۱) سورة القصص: ۸، شرح النووي على صحيح مسلم: ۱/ ۷۰-۷۱، باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ.

(۲) مقدمة صحيح مسلم بشرح فتح الملهم: ۱/ ۲۵۰، رقم: ۱، باب وجوب الرواية عن الثقات وترك الكاذبين والتحذير من الكذب على رسول الله ﷺ.

”اگر کوئی حدیث صحیح یا حسن سندوں سے ثابت شدہ ہو، تو اسے روایت کرتے ہوئے ”قال، فعل، أمر...“ وغیرہ صیغہائے جزم استعمال کرے، اور اگر ضعیف ہو تو صیغہ معلوم اور جزم استعمال نہ کرے۔ واللہ اعلم^(۱)۔

وضع حدیث کے اسباب

حضور ﷺ کے دور میں اور شیخین کے زمانے میں وضع حدیث کا کوئی رجحان نہیں تھا۔ البتہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور شروع ہوا تو دو قسم کے فتنوں نے سرا بھارے:

ایک فتنہ تو خوارج کا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کیا کرتے تھے۔

دوسرا فتنہ روافض کا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت، عصمت، نبوت اور الوہیت کے قائل تھے۔

صحابہ کرام کے آخری دور میں حضرت عبداللہ بن الزبیر اور عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں مرجئہ اور قدریہ پیدا ہوئے۔

پھر اموی خلافت کے اواخر میں جہمیہ، مشبہ، مثلہ جیسے فرقے ظاہر ہوئے، ان فتنوں کے ظہور کے ساتھ ساتھ وضع حدیث کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا، ذیل میں اہم اسباب وضع ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) شرح النووي علی صحیح مسلم: ۱/۶۹-۷۱.

۱- سیاسی عوامل :

سب سے پہلے سیاسی عوامل و اسباب کی وجہ سے وضع حدیث کی بنیاد پڑی، اس سلسلہ میں روافض کا کردار بڑا گھناؤنا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو واقعی فضائل و مناقب تھے وہ بے شمار تھے، لیکن ان روافض نے گھڑ گھڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کی کوشش کی، اس کے مقابلہ میں پھر ان کے مخالفین نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حمایت کرتے ہوئے ان کے جھوٹے مناقب و فضائل بیان کرنا شروع کر دیے۔

۲- اسلام دشمنی

۳- تعصب پرستی

۴- مذہبی و عقائدی اختلافات

۵- ترغیب و ترہیب میں وضع حدیث اور احتساب

میں اس عنوان پر تھوڑی تفصیلی گفتگو کرنا چاہوں گا:

کچھ ایسے لوگ معاشرہ میں ہوتے ہیں جو عبادت، زہد و اتقا اور صلاح و تقویٰ میں معروف ہوتے ہیں، لیکن دین سے یکسر نابلد اور جاہل ہوتے ہیں، ایسے ہی لوگ ترغیب و ترہیب پر وضع حدیث کا ارتکاب کرتے ہیں اور پھر اس پر ثواب کی امید رکھتے ہیں، اس کو دین کی بڑی خدمت سمجھتے ہیں، کہتے ہیں لوگوں کو دین کی طرف لانے کے لیے کچھ بھی گھڑ کر بیان کیا جاسکتا ہے۔

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر تو سخت وعید وارد ہے: ”من کذب علیّ متعمداً فلیتبوا مقعده من النار“ تو فوراً کہہ اٹھتے ہیں کہ تو آپ کے لیے اور

آپ کے دین کے لیے جھوٹ باندھ رہے ہیں، دین کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تو نہیں کہہ رہے ہیں۔ یہ جہالت کی انتہا ہے۔

ایسے ہی وضاعین میں سے چند یہ ہیں:

چند وضاعین کا تذکرہ

۱۔ میسرہ بن عبد ربہ

جب ان سے کہا گیا کہ یہ حدیثیں کہاں سے آئیں؟ تو کہا کہ میں نے لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے گھڑی ہیں^(۱)۔

۲۔ غلام خلیل

یہ شخص بڑا عابد زاہد گزرا ہے، اس کی موت پر بغداد کا سارا بازار بند ہو گیا تھا، موت کے وقت کسی نے کہا کہ حسن ظن پیدا کرو، کہنے لگا: میرے اندر حسن ظن کیسے نہیں پیدا ہو گا جبکہ میں نے حضرت علی کے فضائل میں ستر حدیثیں گھڑی ہیں^(۲)۔

(۱) تاریخ بغداد: ۱۳/۲۲۴، رقم الترجمة: ۷۱۹۴.

(۲) حلیۃ البشر فی تاریخ القرن الثالث عشر: ص ۱۲۴۹.

۳۔ ابو داؤد، سلیمان بن عمرو بغدادی نخعی

یہ شخص رات رات بھر قیام کرتا اور دن میں اکثر روزے رکھتا تھا، لیکن وضع حدیث کیا کرتا تھا^(۱)۔

۴۔ ابو بشر احمد بن محمد فقیہ مروزی مصعبی:

اپنے زمانے میں اہل سنت کے مذہب پر متصّلب اور ان کا سب سے بڑا مدافع تھا، لیکن حدیثیں گھڑا کرتا تھا اور اُسے کارِ ثواب سمجھتا تھا^(۲)۔

یہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے قصداً موضوع احادیث گھڑ کے پھیلائیں، جبکہ کچھ ایسے لوگ بھی گذرے ہیں جو سادگی اور غفلت میں ایسے عمل کا ارتکاب کر بیٹھے، امام یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں: ”لم نر الصّالحین فی شیء أكذب منهم فی الحدیث“^(۳)۔

ایسے لوگوں میں:

۱۔ عباد بن کثیر ثقفی بصری^(۴)۔

()

(۱) المجروحین لابن حبان: ۳۳۳/۱، رقم الترجمة: ۴۱۶۔

(۲) تاریخ بغداد: ۲۳۸/۶۔

(۳) مقدمة صحيح مسلم بشرح فتح الملهم: ۲۶۹/۱، رقم: ۴۵، باب كشف

عن معایب رواة الحديث ونقله الأخبار۔

(۴) دیکھئے، مقدمہ صحیح مسلم، باب الکشف عن معایب رواة الحديث، رقم: ۴۲، ومیزان الاعتدال:

۳۷۱/۲، رقم: ۴۱۳۴۔

۲۔ عبد اللہ بن محرز جزری رقی ہیں۔

(دیکھئے، مقدمہ صحیح مسلم، باب الکشف عن معایب رواۃ الحدیث، رقم: ۹۷، و میزان

الاعتدال: ۵۰۰/۲، رقم: ۴۵۹۱)

۶۔ حکام کا تقرب اور ان کی خوشامد

حاصل یہ کہ وضع حدیث کے اسباب و دواعی مختلف ہیں اور ایسے ضامین بھی

متنوع ہیں، چنانچہ:

۱۔ بعض تو وہ زنادقہ ہیں جو دین کے اندر اپنی طرف سے گھڑ کر شامل کرنے کی

کوشش کرتے رہے۔

۲۔ بعض وہ ہیں جو اپنے زعم میں ثواب کی غرض سے یہ فعل بد انجام دیتے

رہے۔

۳۔ بعض فساق قسم کے محدثین ایسے گذرے ہیں، جو صرف غرابت پیدا

کرنے کے لئے اور لوگوں پر اپنا امتیاز ظاہر کرنے کے لئے ایسی حرکتیں کیا کرتے تھے۔

۴۔ بعض وہ ہیں جو مذہبی تعصب میں مبتلا ہو کر وضع حدیث کیا کرتے تھے۔

۵۔ بعض ہوا پرستی اور دنیا طلبی کی غرض سے یا اہل دنیا کی خوشامد کے لئے یہ

حرکت کر بیٹھتے تھے۔

۶۔ بعض ایسے لوگ بھی تھے جو متن حدیث تو نہیں گھڑتے تھے، لیکن کسی

ضعیف حدیث کے لئے صحیح سند گھڑ لیا کرتے تھے۔

۷۔ کوئی قلبِ سند سے کام لیتا تھا تا کہ دوسروں پر رعب جم سکے۔

۸۔ بعض ایسے بھی ہیں جن کو شیوخ سے لقاء و سماع نہیں، لیکن وہ دھڑلے سے

ان سے روایتیں کرتے تھے۔

۹۔ بعض وہ ہیں جو صحابہ کرام یا کلامِ عرب یا حکماءِ عرب کے کلام کو بطورِ حدیث مشہور کر دیتے تھے۔

موضوع احادیث کی مضرتیں

موضوع احادیث کے معاشرہ میں رواج پانے سے:

۱۔ عقائد، عبادات، معاشرت، اخلاقیات ساری چیزیں متاثر ہوتی ہیں، چنانچہ غلط عقائد رواج پاتے ہیں، بے اصل عبادتیں وجود میں آتی ہیں، اسلامی آداب کے خلاف بہت سی خرافات عام ہونے لگتی ہیں۔

۲۔ اسی طرح ”موضوع“ کے پھیلنے سے، دین کیا ہے؟ اور دین سے خارجی امور کیا ہیں؟ ان کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔

۳۔ ان گھڑی ہوئی احادیث کی بنیاد پر دشمنانِ اسلام کے سامنے اسلام کی صورت مسخ ہو کر سامنے آتی ہے اور اسلام کے خلاف زہر اُگلنے کا موقع ملتا ہے۔

۴۔ بے بنیاد باتوں کے ذریعہ تعصب کو ہوا دے کر مسلمانوں کے اندر تفرقہ بازی پیدا کی جاتی ہے۔

موضوع احادیث سے چھٹکارے کی صورت

۱۔ سب سے پہلے تو حدیثِ رسول کی عظمت و محبت دل میں پیدا کرنے کی کوشش کرے، حدیث کا اصل مقام کیا ہے؟ شریعت کے نزدیک اس کی کیا حیثیت ہے؟ اس کو پیشِ نظر رکھ کر صحیح و ثابت احادیث کو پڑھنے پڑھانے اور نشر کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ حضور اکرم ﷺ نے ”کذب علی النبی ﷺ“ پر جو وعید ارشاد فرمائی ہے اس کو دائمائے نظر رکھے۔

کبار صحابہ کرام جیسے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے حضرات کس قدر احتیاط کرتے تھے، باوجود طولِ صحبت و ملازمت کے آپ کی طرف منسوب کر کے کسی بات کو بیان کرنے میں یہ حضرات کیا احتیاط فرمایا کرتے تھے؟ اس کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھ کر حدیثیں بیان کرے۔

۳۔ جب تک یقین نہ ہو جائے کہ یہ حدیث بیان کی جاسکتی ہے، اُس وقت تک اس کو آگے نہ پھیلانے۔

۴۔ اس سلسلہ میں ”موضوعات“ پر لکھی گئی کتابوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے، بلکہ موضوعات کے ساتھ ساتھ زبانِ زد عام مشہور احادیث پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ بھی جاری رکھے۔

۵۔ اہل علم کے سامنے کوئی ایسی حدیث آئے تو اس کا حال ضرور بیان کر دیں۔

۶۔ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں خصوصی غیرت کا مظاہرہ کیا جائے، اس سلسلہ میں ”ادب الاختلاف“ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بغیر کسی خوفِ لومۃ لائم اقدام کیا جائے۔

ان معروضات کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ ہم ایک معتد بہ ذخیرہ حدیث کو مہمل قرار دینا چاہتے ہیں! نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔

ہمارے یہاں بعض متشددین تو وہ ہیں جو ضعیف حدیث کو اس کا صحیح مقام دینے کے بجائے اسے موضوعِ احادیث کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ جو حکم موضوعِ حدیث کا ہے، وہی حکم ”ضعیف“ کا بھی ہے۔ یہ افراط اور غلو ہے۔

جبکہ بعض حضرات وہ ہیں جو موضوع احادیث کو بھی دھڑلے سے بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور اس کو دین کی بڑی خدمت سمجھتے ہیں، یہ تفریط اور کوتاہی کا اعلیٰ درجہ ہے۔

جبکہ حق اس کے بین بین ہے کہ ضعیف احادیث ضعیف ضرور ہیں، پر موضوع نہیں ہیں، اور جمہور علماء نے ضعیف احادیث کو جہاں استعمال کیا ہے اور جہاں معتبر قرار دیا ہے، وہاں ان کو مانا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہونا چاہئے کہ متروک، منکر اور شدید ضعیف و واہی قسم کی احادیث کو اپنے خطبوں اور مواعظ میں بیان کرنا شروع کر دیں۔

ایک نہایت ہی افسوس ناک رجحان یہ پیدا ہو گیا ہے کہ اہل علم کہلانے والے حضرات جو باقاعدہ علمی درس گاہوں سے اکابر علماء سے استفادہ کر کے فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور وہ موضوع احادیث کے نقل کرنے کی شاعت سے بھی خوب واقف ہیں، وہ بھی جب مسند وعظ وارشاد پر جلوہ افروز ہوتے ہیں، تو وہ کس قسم کی حدیثیں ان کی زبان سے نکل رہی ہیں، اس کا مطلق احساس نہیں رکھتے، ان میں بعض علماء وہ بھی ہیں، جو نہایت قابل احترام ہونے کے ساتھ ساتھ عام لوگ ہی نہیں، علماء کے بھی مقتدا سمجھے جاتے ہیں، ایسے حضرات کی ہی برسر منبر بڑے بڑے مجموعوں میں بیان کردہ بلا تحقیق بے بنیاد احادیث وہ گل کھلاتی ہیں کہ الأمان والحفیظ۔

اس پر مزید طرفہ یہ کہ حدیثِ رسول کو دھڑلے سے بلا خوف و خطر بیان کرنے کے لئے اب علم حدیث یا کتب حدیث کے باقاعدہ حاصل کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جا رہی، بلکہ کوئی شخص جو چند دن تبلیغی جماعت میں وقت لگا چکا ہو، یا کچھ دین داروں کی صحبت میں وقت بتا چکا ہو، وہ بھی برسر منبر حدیثِ رسول کی صراحت

کرتے ہوئے احادیث بیان کرنے کی جسارت کرنے لگا ہے اور کسی بھی قسم کے مضمون کو حدیث کے نام پر عام کرتا جاتا ہے، اگرچہ ایسے موقع پر وہ شخص ”حدیث شریف کا مفہوم ہے“ یا ”علماء سے سنا ہے“ کے ابتدائیہ کا سہارا لیتا ہے۔

اس طرح اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ حدیث رسول کی عظمت اور حضور اکرم ﷺ کی حرمت ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے بعد ہر چیز سے مقدم ہے، اگر کوئی ایسی بات اپنے اکابر کے کلام میں آجائے اور تحقیقی طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، ایسے موقع پر اپنے اکابر کی طرف داری گویا حضور اکرم ﷺ کی عظمت و حرمت کے مقابلہ میں معاذ اللہ ترجیح پارہی ہے، جس سے فوری اجتناب ضروری ہے۔

دیکھئے! حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی شخص نے ”تمتع بالعمرة إلی الحج“ کے بارے میں پوچھا، تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا کہ جائز ہے، اُس شخص نے کہا کہ آپ کے والد نے تو منع کیا ہے، حضرت ابن عمر نے فرمایا: یہ بتلاؤ: اگر میرے والد نے منع کیا ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو انجام دیا ہو، تو میرے والد کی اتباع کی جائے گی، یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی؟ اُس نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع کی جائے گی، تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: سمجھ لو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود کیا ہے^(۱)۔ (۱)

بعض لوگوں کو یہ خدشہ بھی لاحق رہتا ہے کہ اگر موضوع احادیث کی نشاندہی اس طرح کی جاتی رہی، تو امت کا ایک بڑا طبقہ جو پہلے ہی احادیث سے برگشتہ ہے، مزید دین سے دور ہو جائے گا۔

لیکن یہ خدشہ اس لئے بے بنیاد ہے کہ اگر یہ بات درست ہوتی، تو اکابرین امت کبھی بھی موضوع احادیث کی نشاندہی کا کام نہ کرتے۔

نیز اللہ کا دین ان موضوع احادیث کا محتاج ہر گز نہیں ہے، یہ تو ان ہی طوائف مبتدعہ اور افرادِ زائغہ کی سوچ ہے، جو دین کی طرف راغب کرنے کے لئے جھوٹی احادیث کا سہارا لینے کو جائز سمجھتے ہیں۔

پھر ہمارے زمانے میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط رہنے کے لئے انٹرنیٹ کی سہولت نے بہت سارے وسائل و ذرائع اتصال مہیا کر دیئے ہیں، جن میں فیس بک، واٹس ایپ، اسکائپ، ٹویٹر اور ان جیسے دیگر پروگرام اور سوفٹ ویئرز ہیں، ان پروگراموں کے آنے سے خیالات و افکار کے تبادلے کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہو گیا ہے اور ان ذرائع کو جھوٹی سچی ہر قسم کی بے بنیاد اور بے سروپا باتوں کو حدیث کا لبادہ اڑھا کر پیش کر دینے کا ایک طوفان آگیا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حدیثِ رسول کے سلسلے میں حساس بن کر غیرت کا مظاہرہ کریں اور اپنے ہوں، یا بیگانے کسی کی رُو رعایت کئے بغیر حدیثِ رسول کو خود بھی بلا تحقیق بیان نہ کریں اور دوسروں کو بھی حکمت، موعظتِ حسنہ اور ”مجادلۃ بالتي هي أحسن“ کے ساتھ حدیث کو کھلو اڑ بنانے سے روکیں۔

جب امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغہ غلطی سے غلط احادیث اپنی ”سنن“ میں لکھ سکتے ہیں اور بعد میں آنے والے ان کی نشان دہی کر سکتے ہیں تو پھر ہم بھی اپنوں کی غلطیاں کیوں ظاہر نہیں کر سکتے!؟

البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ جب بھی کسی بڑے کی بات کی تردید کی جائے، تو بلا تحقیق کامل لب کشائی اور خامہ فرسائی نہ کرے اور جب اظہار کرے تو ادب کو ملحوظ رکھ کر کلام کرے، اپنے آپ کو حرف آخر قرار نہ دے اور اپنی غلطی ظاہر ہونے کی صورت میں فوری رجوع کرے۔

وضع حدیث کی علامات :

مناسب معلوم ہوتا ہے یہاں موضوع احادیث کی کچھ علامتیں بتادی جائیں۔
حافظ ابن عراق کنانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ“ میں حدیث کے موضوع اور مختلف ہونے کی گیارہ علامتیں بیان فرمائی ہیں، ان کا حاصل یہ ہے:

۱۔ اقرار واضح، یعنی وضع کرنے والا کسی موقع پر وضع کا اقرار کرے، جب کہ میسرہ بن عبد ربہ نے قرآن کریم کی ہر ہر سورت کی فضیلتیں روایت کیں، جب اس سے پوچھا گیا تو کہا کہ میں نے یہ احادیث خود گھڑی ہیں۔

۲۔ اقرار تو نہیں، البتہ اقرار کے درجہ کی بات پیش آجائے، جیسا کہ ”متاریخ“ کے ذریعہ اس کی تکذیب ہوتی ہو۔

۳۔ راوی کے جھوٹے ہونے پر جماعت کثیرہ کی شہادت ہو۔

۴۔ خود راوی کے حالات اس پر دال ہوں جیسے: غیاث بن ابراہیم نخعی نے خلیفہ مہدی کو خوش کرنے کے لئے جھوٹی حدیث گھڑ دی۔

۵۔ مروی کے اندر قرینہ موجود ہو، مثلاً عقل کے قطعاً خلاف ہو، اس میں کوئی تاویل ممکن نہ ہو، حس و مشاہدہ کے خلاف کوئی حدیث ہو، یا قرآن کریم کی قطعی دلالت، سنت متواترہ یا اجماع قطعی کی مخالفت میں ہو۔

۶۔ بسا اوقات خبر کسی عظیم الشان معاملہ سے متعلق ہوتی ہے، جس کے جم غفیر کے نقل کرنے کے دواعی موجود ہوں، لیکن اس کا نقل کرنے والا کوئی فرد واحد ہو، تو یہ بھی حدیث کے ناقابل اعتبار اور موضوع ہونے کی ایک علامت ہے۔

۷۔ ایک علامت یہ بھی ہے کہ حدیث اس قبیل کی ہو کہ اس کے معلوم ہونے کا مکلف ہر شخص کو کیا جاتا ہو، اسے نہ جاننے کا کوئی عذر نہ ہو، لیکن اس کے باوجود ایک ہی فرد اس کو روایت اور نقل کرتا ہو۔

۸۔ کوئی روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں نقل کی جائے، لیکن وہ عربیت کے اعتبار سے اس طرح کمزور ہو کہ اس طرح کے کمزور الفاظ آپ جیسے فصیح و بلیغ سے ادا ہونا ممکن نہ ہو، تو یہ بھی موضوع ہونے کی علامت ہے۔

۹۔ کسی حدیث میں معمولی سی بات پر شدید وعید ہو یا معمولی سے عمل پر زبردست قسم کی بشارتیں ہوں، تو یہ بھی موضوع ہونے کی علامت ہے۔

۱۰۔ احادیث کے مدون ہو جانے کے بعد کسی ایسی حدیث کا نقل کرنا جو لوگوں کے سینے میں ہو اور نہ کتابوں کے اندر۔

۱۱۔ حدیث کے موضوع ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ راوی کوئی رافضی ہو اور حدیث اہل بیت کی منقبت میں یا ان کے مخالفین کی مذمت میں ہو۔ واللہ اعلم^(۱)۔

حدیث کے موضوع ہونے کو پہچاننے کے ضابطے

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حدیث کے موضوع ہونے کو پہچاننے کا کوئی ضابطہ ہے کہ سند کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت نہ پڑے۔

انہوں نے اس کے پچیس ضابطے بیان فرمائے:

۱۔ حدیث کا ایسے اٹکل اور تخمینہ امور پر مشتمل ہونا جن کا صدور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ممکن نہ ہو۔

۲۔ حس و مشاہدہ جس کی تکذیب کرے۔

۳۔ حدیث کا ایسے الفاظ و معنی پر مشتمل ہونا جو باعث استہزاء ہو۔

۴۔ کسی حدیث کا صحیح حدیث و سنت کے مناقض ہونا۔

۵۔ کسی ایسی بات کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دعویٰ کرنا کہ

آپ نے یہ کام صحابہ کرام کے مجمع اور ان کے سامنے کیا ہو، لیکن کوئی بھی صحابی اسے نقل نہ کرے، بلکہ سب کے سب اسے چھپانے پر اتفاق کر لیں۔

۶۔ وہ کلام خود فی نفسہ باطل ہو۔

۷۔ وہ کلام انبیاء کے کلام کے مشابہ نہ ہو۔

۸۔ تاریخ اور دن کی تعیین کے ساتھ کسی واقعہ کی خبر دینا۔

۹۔ حدیث اطباء اور حکماء کے نسخوں کے مشابہ ہو، نہ کہ کلام رسول کے۔

۱۰۔ عقل سے متعلق تمام احادیث جھوٹی ہیں۔

۱۱۔ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات سے متعلق تمام احادیث جھوٹی ہیں۔

۱۲۔ حدیث کے بطلان پر صحیح و ثابت شدہ حقائق موجود ہوں۔

۱۳۔ حدیث صریح قرآن کے مخالف ہو۔

۱۴۔ مختلف دنوں مثلاً اتوار کے دن یارات میں ایسی ایسی نمازیں پڑھی جائیں تو یہ فضیلت ہے، ایسی تمام حدیثیں موضوع ہیں۔

۱۵۔ ”لیلۃ النصف من شعبان“ سے متعلق تمام روایتیں۔ (یہ محل نظر ہے)

۱۶۔ الفاظ حدیث کا رکیک ہونا۔

۱۷۔ اہل حبشہ و سودان کی مذمت کی حدیثیں۔

۱۸۔ ترکوں اور خواجہ سراؤں اور ممالیک کی مذمت کی حدیثیں۔

۱۹۔ خود حدیث کے اندر اس کے بطلان کے قرائن موجود ہوں۔

۲۰۔ احادیث الحما (بالتحقیف)

۲۱۔ مرغیاں پالنے کی احادیث۔

۲۲۔ ذمّ اولاد سے متعلق احادیث۔

۲۳۔ مستقبل کی تواریخ سے متعلق حدیثیں۔

۲۴۔ یوم عاشوراء میں سرمہ لگانے، زینت اختیار کرنے سے متعلق احادیث۔

۲۵۔ سورتوں کے فضائل سے متعلق بعض احادیث۔

موضوعات اور مشہرات پر لکھی گئی کچھ کتب کا تذکرہ

جیسا کہ میں نے اس سے پہلے عرض کیا کہ حضراتِ محدثین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو زنادقہ اور طہدین اور امت کے عباد و زہاد کی دانستہ، یا نادانستہ تزویر و تلبیس سے حفاظت و صیانت کے لئے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا، چنانچہ امام

ابن المبارک رحمہ اللہ کے سامنے موضوع احادیث کے پھیل جانے اور عام ہو جانے کی وبا کا ذکر کیا تو فرمایا: ”یعیش لها الجھانزة“^(۱)۔

(شرح شرح نخبة الفكر لعلی القاری: ص ۴۴۶)

اسی طرح ہارون رشید نے ایک مرتبہ ایک زندیق کو پکڑا اور اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، تو اس نے کہا: اُن ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے، جو میں نے گھڑ کر پھیلا دی ہیں، ہارون الرشید نے فوراً کہا: ”أین انت یا عدو الله، من أبي إسحاق الفزاري وابن المبارك ينخلانها حرفاً حرفاً“، یعنی: اے اللہ کے دشمن! تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے اندر ابواسحاق فزاری اور عبد اللہ بن مبارک جیسے جہابذہ موجود ہیں وہ تمہاری ان حدیثوں کے ایک ایک حرف کو چھان کر نکال دیں گے۔ (تہذیب التہذیب: ۱/۱۵۲)

چنانچہ بحمد اللہ اکابرین سلف نے اس سلسلے میں جو خدمات انجام دیں، وہ تو اپنی جگہ واقع ہیں، علماء متاخرین نے بھی موضوع احادیث کو جمع کرنے اور ان کی نشاندہی کرنے میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔

ذیل میں ہم یہاں چند کتب کا ذکر کرتے ہیں، جن کا موضوع ہی موضوع احادیث اور زبان زد عام مشہور احادیث ہیں:

۱۔ الأباطیل والمناکیر والصحاح والمشاہیر للحسین بن

إبراهیم الجوزقانی (۵۴۳ ھ)

۲۔ الموضوعات لأبي الفرج ابن الجوزي (۵۹۷ ھ)

(۱) شرح شرح نخبة الفكر لعلی القاری: ۴۴۶۔

- ٣- العلل المتناهية في الأحاديث الواهية لابن الجوزي أيضًا.
- ٤- الأحاديث الموضوعة في الأحكام المشروعة لأبي حفص عمر بن بدر الموصلي الحنفي (٦٢٢ هـ)
- ٥ - المغني عن الحفظ والكتاب بقولهم: لا يصح شيء في هذا الباب لأبي حفص الموصلي أيضًا.
- ٦ - موضوعات الصغاني لرضي الدين الحسن بن محمد الصغاني (٦٥٠ هـ)
- ٧- الدرر الملتقط في تبين الغلط للصغاني أيضًا.
- ٨ - ترتيب الموضوعات للحافظ شمس الدين محمد بن أحمد الذهبي (٧٤٨ هـ)
- ٩ - أحاديث مختارة من موضوعات الجوزقاني وابن الجوزي للحافظ الذهبي.
- ١٠- مختصر الأباطيل والموضوعات للذهبي أيضًا.
- ١١ - المنار المنيف في الصحيح والضعيف للحافظ ابن القيم الجوزية (٧٥١ هـ)
- ١٢- الأحاديث التي لا أصل لها في كتاب «الإحياء» لعبد الوهاب بن علي تاج الدين السبكي (٧٧١ هـ)
- ١٣- التذكرة في الأحاديث المشتهرة أو «اللائيء المشهورة في الأحاديث المشهورة» لبدر الدين الزركشي (٧٩٤ هـ)

- ١٤- المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة للحافظ السخاوي (٩٠٢ هـ)
- ١٥- اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للحافظ جلال الدين السيوطي (٩١١ هـ)
- ١٦- تحذير الخواص من أكاذيب القصاص للحافظ السيوطي أيضًا.
- ١٧- الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة للحافظ السيوطي أيضًا.
- ١٨- التعقبات على الموضوعات للحافظ السيوطي أيضًا.
- ١٩- الغماز على اللماز في الأحاديث المشهورة لنور الدين أبي الحسن السّمهودي (٩١١ هـ)
- ٢٠- تمييز الطيّب من الخبيث فيما يدور على ألسنة الناس من الحديث لابن الدّيبع (٩٤٤ هـ)
- ٢١- الشّذرة في الأحاديث المشتهرة لابن طولون الدمشقي الحنفي (٩٥٣ هـ)
- ٢٢- تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة لابن عَرّاق الكِناني (٩٦٣ هـ)
- ٢٣ - تذكرة الموضوعات لمحمد طاهر بن علي الفَتّني (٩٨٦ هـ)

- ٢٤- الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، أو «الموضوعات الكبرى» للملا علي القاري الحنفي (١٠١٤هـ)
- ٢٥- المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، وهو «الموضوعات الصغرى» للملا علي القاري أيضًا.
- ٢٦- الفوائد الموضوعة في الأحاديث الموضوعة لمُرعي بن يوسف الكرّمي (١٠٣٣هـ)
- ٢٧- إتيقان ما يَحْسُن من الأخبار الدائرة على الألسن لنجم الدين العامري الغزّي (١٠٦١هـ)
- ٢٨- الجدل الحثيث في بيان ما ليس بحديث لأحمد بن عبد الكريم العامري الغزّي (١١٤٣هـ)
- ٢٩- كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس للعجلوني (١١٦٢هـ)
- ٣٠- الكشف الإلهي عن شديد الضعف والموضوع والواهي لمحمد بن محمد الطرابُلسي السَّنْدَرُوسي (١١٧٧هـ)
- ٣١- النوافح العطرة في الأحاديث المشتهرة لمحمد بن أحمد الصنعاني المعروف بـ«مشحم الكبير» (١١٨١هـ)
- ٣٢- النخبة البهيّة في الأحاديث المكذوبة على خير البريّة للأمير الكبير محمد بن محمد الأزهري (١٢٣٢هـ)
- ٣٣- الموضوعات في الإحياء أو «الاعتبار في حمل الأسفار» لأبي الفوز محمد أمين بن علي السّويدي (١٢٤٦هـ)

- ٣٤- الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة لمحمد بن علي بن الشوكاني (١٢٥٠هـ)
- ٣٦- أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب للشيخ محمد بن السيد درويش الخوث (ت ١٢٧٦هـ)
- ٣٧- الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة للشيخ أبي الحسنات محمد بن عبد الحي الكنوي (ت ١٣٠٤هـ)
- ٣٨- اللؤلؤ المرصوع فيما لا أصل له وبأصله موضوع لمحمد بن خليل الطرابلسي القاؤفجي الحنفي (١٣٠٥هـ)
- ٣٩- تحذير المسلمين من الأحاديث الموضوعة على سيد المرسلين لمحمد بن البشير المدني الأزهري (ت ١٤٢٩هـ)
- ٤٠- المغير على الأحاديث الموضوعة في الجامع الصغير للسيد أحمد بن محمد الصديق الغماري (ت ١٣٨٠هـ)
- ٤١- سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيء في الأمة للشيخ محمد ناصر الدين الألباني (١٤٢٠هـ)
- ٤٢- التهاني في التعقب على موضوعات الصغاني لعبد العزيز بن محمد بن الصديق الغماري (ت)
- ٤٣- موسوعة الأحاديث والآثار الضعيفة والموضوعة للأستاذ علي حسن علي الحلبي والآخرين

ان کتابوں میں سے ”المصنوع فی معرفة الحديث الموضوع“ ایک مختصر سی کتاب ہے اور اس پر شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ کا مبسوط مقدمہ اور حاشیہ ہے، عدیم الفرصت حضرات کے لئے اس کا مطالعہ کافی فائدہ مند رہے گا۔

اسی طرح ”المنار المنیف فی الصحیح والضعیف“ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مختصر مگر بہت ہی نافع تالیف ہے، اُس پر بھی شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ کی تعلیقات ہیں، یہ کتاب یحییٰ بن عبداللہ الثمالی کی تحقیق، بکر بن عبداللہ ابوزید کے اشraf کے ساتھ بھی طبع ہو چکی ہے، اس کا مطالعہ بھی فائدہ مند ہے، ان کے علاوہ جو حضرات موضوع احادیث کے سلسلے میں کچھ توسع چاہتے ہیں، اُن کے لئے ”تنزیہ الشریعة المرفوعة عن الأحادیث الشنیعة الموضوعة“ سب سے مفید اور حرز جان بنانے کے قابل تصنیف ہے، اس کتاب میں مصنف علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق کنانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن الجوزی رحمہ اللہ کی ”کتاب الموضوعات“ کو بنیاد بنا کر احادیث موضوعہ کو اس طرح جمع کیا ہے کہ عنوانات قائم کر کے احادیث کو تین فصلوں میں منقسم کر دیا ہے۔

پہلی فصل میں ان متفق علیہ احادیث موضوعہ کو ذکر کیا، جو ابن الجوزی کے نزدیک بھی موضوع ہیں، دیگر علماء کے نزدیک بھی۔ دوسری فصل میں ان احادیث کا تذکرہ کیا، جن پر ابن الجوزی نے موضوع ہونے کا حکم لگایا، لیکن دوسرے حضرات نے ان سے اختلاف کیا اور تیسری فصل میں مزید موضوع احادیث کا اضافہ کر دیا۔

اس کتاب کا مقدمہ بھی خاصا فائدہ مند ہے، نیز اس مقدمہ کے آخر میں انہوں نے ان تمام راویوں کے ناموں کی حروف تہجی کے اعتبار سے فہرست جمع کر دی ہے، جن کے بارے میں علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ وضع حدیث کرنے والے رواۃ ہیں۔

اللہ جل شانہ سے دعا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور اتباع کامل نصیب فرمائے آپ کی سنن صحیحہ ثابتہ کی حفاظت و سیانت کرنے والے اور ان پر عمل کرنے والے خادین میں ہم سب کو شمار فرمائے۔ آمین و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی سیدنا محمد النبی الأمی الامین وعلی آله وصحابته أجمعین

مراجع و مصادر

- ۱۔ القرآن الکریم
- ۲۔ الإصابة في تمييز الصحابة، للحافظ أحمد بن علي بن محمد المعروف بابن حجر العسقلاني (ت ۸۵۲ھ)۔
- ۳۔ تاریخ بغداد، للحافظ أبي بكر أحمد بن علي بن ثابت المعروف بـ«الخطيب البغدادي» (ت ۴۶۳ھ)
- ۴۔ تاریخ دمشق، لأبي القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر الدمشقي (ت ۵۷۱ھ)
- ۵۔ تذكرة الحفاظ، للحافظ شمس الدين أبي عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز (ت ۷۴۸ھ)
- ۶۔ تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة، للحافظ أبي الحسن علي بن محمد بن عراقي الكناني (ت ۹۶۳ھ)
- ۷۔ تهذيب التهذيب، للحافظ أحمد بن علي بن محمد المعروف بابن حجر العسقلاني (ت ۸۵۲ھ)
- ۸۔ تهذيب الكمال، للحافظ أبي الحجاج جمال الدين يوسف بن عبد الرحمن بن يوسف المزي (ت ۷۴۲ھ)
- ۹۔ الثقات، للإمام أبي الحسن أحمد بن عبد الله بن صالح العجلي (ت ۲۶۱ھ)

- ۱۰۔ جامع الترمذی، للإمام أبي عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذی (ت ۲۷۹ هـ)
- ۱۱۔ الجرح والتعديل، للإمام عبد الرحمن بن محمد المعروف بـ«ابن أبي حاتم الرازي» (ت ۳۲۷ هـ)
- ۱۲۔ حلية البشر في تاريخ القرن الثالث عشر، للشيخ عبد الرزاق بن حسن بن إبراهيم البيطار الميداني الدمشقي (ت ۱۳۳۵ هـ)
- ۱۳۔ سنن أبي داود، للإمام أبي داود سليمان بن الأشعث السجستاني (ت ۲۷۵ هـ)
- ۱۴۔ سؤالات أبي عبيد الآجري، للإمام أبي داود سليمان بن الأشعث السجستاني (ت ۲۷۵ هـ)
- ۱۵۔ شرح شرح نخبة الفكر، للإمام علي بن سلطان المعروف بـ«الملا علي القاري» (ت ۱۰۱۴ هـ)
- ۱۶۔ شرح علل الترمذی، لزين الدين عبد الرحمن بن أحمد المعروف بـ«ابن رجب الحنبلي» (ت ۷۹۵ هـ)
- ۱۷۔ شرح النووي على صحيح مسلم، للإمام محيي الدين أبي زكريا يحيى بن شرف النووي (ت ۶۷۶ هـ)
- ۱۸۔ شرح نهج البلاغة، لعبد الحميد بن هبة الله المعروف بـ«ابن أبي الحديد» (ت ۶۵۶ هـ)

۱۹۔ صحیح البخاری، للإمام محمد بن إسماعیل البخاری
(ت ۲۵۶ھ)

۲۰۔ صحیح مسلم، للإمام أبي الحسين مسلم بن الحجاج
القشيري النيسابوري (ت ۲۶۱ھ)

۲۱۔ فتح الباری، للحافظ أحمد بن علي بن محمد المعروف
بابن حجر العسقلاني (ت ۸۵۲ھ)

۲۲۔ الکفاية في علم الرواية، للحافظ أبي بكر أحمد بن علي بن
ثابت المعروف المعروف بـ«الخطيب البغدادي» (ت ۴۶۳ھ)

۲۳۔ لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث، للشيخ عبد
الفتاح أبو غدة (ت ۱۴۱۷ھ)

۲۴۔ لمحات موجزة في أصول علل الحديث، للشيخ نور
الدين عتر حفظه الله تعالى.

۲۵۔ المجروحين، للإمام أبي حاتم محمد بن حبان المعروف
بـ«ابن حبان البستي» (ت ۳۵۴ھ)

۲۶۔ مجمع الزوائد، للإمام نور الدين علي بن أبي بكر بن
سليمان الهيثمي (ت ۸۰۷ھ)

۲۷۔ المحدث الفاضل بين الراوي والواعي، للإمام الحسن بن
عبد الرحمن بن خلاد الرامهرمزي الفارسي، (ت ۳۶۰ھ)

۲۸۔ المستدرک، للحاکم أبي عبد الله محمد بن عبد الله
المعروف بـ«الحاکم» (ت ۴۰۵ھ)

۲۹۔ مسند أحمد، للإمام أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (ت

۲۴۱ھ)

۳۰۔ المعجم الكبير، للإمام أبي القاسم سليمان بن أحمد بن

أيوب الطبراني (ت ۳۶۰ھ)

۳۱۔ مکمل إكمال إكمال المعلم، للإمام أبي عبد الله محمد بن

محمد بن يوسف السنوسي (ت ۸۹۵ھ)

۳۲۔ المنار المنيف، للإمام شمس الدين أبي عبد الله محمد بن

أبي بكر المعروف بـ«ابن قيم الجوزية» (ت ۷۵۱ھ)

۳۳۔ المنهل الروي، للإمام بدر الدين أبي عبد الله محمد بن

إبراهيم المعروف بـ«ابن جماعة الكناي» (ت ۷۳۳ھ)

۳۴۔ الوجيز في تاريخ كتب الحديث، للسيد عبد الماجد

الغوري حفظه الله